افکار و مطالعات

قاضی اطہر مبارکپوری

اسلام انسانیت کے لیے ابدی قانون حیات ہے، اور اس کے اصول و قوانین میں اتنی وسعت ہے کہ ہر زمانہ کے تقاضے ان میں سما سکتے ہیں، اور حالات و واقعات کا کوئی مطالبہ ایسا نہیں ہے، جو اسلامی اصولِ حیات کی رو سے پورا نہ ہو سکے، بشرطیکہ ان حوادث و مسائل کو دین کی روشنی میں دیکھا جائے اور اسلامی احکام و تعلیمات کی حقیقی روح سے واقفیت بھی ہو،

آج کتنے ایسے نئے مسائل ہیں جو معرض بحث بنے ہوئے ہیں، اور ان میں علماء اسلام مختلف رائے رکھتے ہیں، لیکن اگر اسلام انسانیت کا آخری ضابطۂ حیات ہے، اور اس میں ہر قسم کے حالات و حوادث کا حل موجود ہے تو پھر ان مسائل کا صحیح حل بھی ہونا چاہیئے، اور کسی ایسے مسئلہ میں دو رائے نہ ہونی چاہیئے، بلکہ ہر نئے مسئلہ کا حقیقی حل مل جانا چاہیئے، اور یہ بات جب ہی ہو سکتی ہے، جب کہ علمائے اسلام ان مسائل میں غور کریں اور دینی بصیرت کی روشنی میں انھیں دیکھیں، یہ علماء نہ ایسے جامد و قدامت پسند ہوں جو پرانی فقہی کتابوں کی شرح و متن اور حاشیہ و بین السطور سے باہر نکلنا خارج از اسلام ہونے کے مرادف سمجھتے ہوں، اور جو کسی جدید مسئلہ میں اصول فقہ کی روشنی میں غور کرنے کو بھی تقلید کے خلاف قرار دیکر اجتہاد مطلق قرار دیتے ہوں، اور نہ ہی اس قدر روشن دماغ، عالی حوصلہ اور بلند پرواز ہوں کہ ہر قسم کی واہی تباہی باتوں کو اسلام میں انگیز کر لینے کے لیے تیار ہوں، اور کسی معاملہ میں اسلامی اصول و قوانین کی روشنی میں غور و فکر کرنے کو قدامت پسندی سے تعبیر کرتے ہوں،

افسوس کہ ایسے علماء بہت کم ہیں، جو قدامت پسندی اور تجدد پسندی کی درمیانی قدروں کے حامل ہوں اور ہر نئے مسئلہ کو ایسے اسلامی ذہن سے سوچیں جو غور و فکر کو اجتہاد مطلق سمجھ کر دم بخود نہ ہو جائے، اور نئے حالات کو اسلامی اصولوں پر جانچنے اور پرکھنے کو تقلید جامد اور قدامت پرستی سمجھ کر آمادۂ بغاوت نہ ہو جائے، بلکہ اس میں اسلامی علوم کی وہ روشنی موجود ہو جو حقیقت شناسی کے کام آسکے،

ہندوستان کے ایک مشہور عالم دین کی مصر میں وہاں کے ایک مشہور نئے مصنف و مفکر کے ساتھ علمی گفتگو ہوئی، مصری روشن خیال مفکر نے دورانِ گفتگو میں اپنا خیال ظاہر کیا کہ زمانہ بدل چکا ہے، اس لیے حالات کے تقاضے کے مطابق اسلام کے بعض مسائل کو بھی بدل دینا چاہیئے، مثلاً سفر ہو یا حضر نمازوں میں "جمع بین الصلاتین" کرنا چاہیئے، کیونکہ آج کل مصروفیات زیادہ ہو گئی ہیں، لوگوں کو کام دھندے سے فرصت کم ملتی ہے، لہٰذا عصر اور ظہر کو ایک ساتھ اور مغرب و عشاء کو ایک ساتھ پڑھ لینا چاہیئے، اسی طرح انھوں نے

کہا کہ چونکہ آجکل ملون اور کارخانون مین کام کرنے مین تکلیف زیادہ ہوتی ہے اس لیے ایسے جفاکش مزدورون کو روزہ رکھنے کے بجائے فدیہ دیدینا چاہیئے، اور حج مین قربانی کرنے کے بجائے کھجور اور کپڑے تقسیم کرنے چاہیئین وغیرہ وغیرہ،

اس قسم کے خیالات مصر مین کچھ دو ایک ہی شخص کے نہین ہین، بلکہ نئے تعلیم یافتہ روشن خیالون کی ایک جماعت ہے جو اس طرح کی باتین کرتی رہتی ہے، چنانچہ گذشتہ دنون اسی جماعت کے ایک مصری عالم اور جامعہ ازہر کے مدرس نے لکھا تھا کہ امراء روزہ رکھنے کے بجائے اگر اس کا فدیہ ادا کر دیا کرین تو کام چل جائے گا، لیکن ازہری علماء کی کونسل نے اس عالم سے بحث ومباحثہ کر کے توبہ کرائی،

اس قسم کے کچھ لوگ ہندوستان مین بھی پائے جاتے ہین، جو جدید تعلیم پانے کے بعد مذہبی معاملات مین کچھ شدبد رکھنے لگے ہین اور چاہتے ہین کہ ان کی نئی فکر کے مطابق اسلامی مسائل مین سوچا جائے، اور ان ہی کے معیار پر عمل کیا جائے،

عام طور سے ایسے لوگ دین کی روح سے ناواقف ہوتے ہین، اور اپنی روشن خیالی کے باوجود جدید حالات سے مرعوب ہوتے ہین، اور ان کا مقابلہ کرنے کے بجائے خود دین کے مقابلہ پر آجاتے ہین، مگر وہ سمجھتے ہین کہ ہم جدید وقدیم قدرون کے درمیان بیچ کی کڑی بن رہے ہین اور ہمارے کارنامے مذہب اور عوام دونون کے لیے قابل قدر ہین،

اس قسم کے چند جدید تعلیم یافتہ لوگون اور یورپ سے ذہنی مار کھائے ہوئے روشن خیالون نے مصر مین ایک نیا شگوفہ چھوڑا ہے، اور اب وہ دین اسلام کو مسیحیت کی طرح لہو ولعب اور سیر وتفریح کا ذریعہ بنانا چاہتے ہین، وہ خود اسے چاہین یا نہ چاہین مگر ان کا طرز فکر بتا رہا ہے کہ اگر ان کی باتون پر عمل کیا گیا تو چند سالون مین اسلام بھی ایک تفریحی پروگرام بن کر رہ جائے گا، اور لوگ اس کی روح سے کوسون دور ہو جائین گے،

چنانچہ ان تجدد پسند لوگون نے خیال ظاہر کیا ہے کہ آیندہ سے مصر کے سب سے بڑے دینی مدرسہ جامعہ ازہر مین عورتون کے لیے گانے بجانے کا کورس جاری کیا جائے، اور آہستہ آہستہ اس کے تمام ماتحت مدرسون مین اسے عام طور سے جاری کیا جائے، ان کی رائے مین مصر مین اب جتنی مسجدین ہین ان مین فلم دکھانے کے لیے ایک مخصوص کمرہ ہونا چاہیئے تاکہ ان مین مفت فلم دکھایا جائے، مصری فلم کے ڈائرکٹر ایسے فلم تیار کرین جن سے کم عمر مسلمان بچون مین "مذہبی جذبہ" پیدا ہو، اور بالغ مسلمانون کو "مذہبی علم" حاصل ہو، مصر کے بعد آہستہ آہستہ اسکندریہ اور دوسرے شہرون مین ایسے ہی فلم کا انتظام کیا جائے، اور دیہات وقصبات کے لوگ مسجد مین فلم دیکھ کر دین حاصل کرین،

اسی خبر کو بعض ہندوستانی اخبارات نے اس طرح شایع کیا ہے، جیسے یہ بات مصری مساجد ومدارس کے لیے طے ہو گئی ہے، اور اکتوبر سے اسکولون، کالجون اور یونیورسٹیون مین عورتون کے لیے گانے بجانے اور مسجدون مین چھوٹون اور بڑون کے لیے فلم دیکھنے اور دکھانے کا کام شروع ہو رہا ہے،

معلوم نہین مصر کے جدید تعلیم یافتہ اور روشن خیال حضرات نے ان خیالات کی بنیاد کن حقائق پر رکھی ہے، اور وہ کیون عورتون کے

لیے گانے بجانے کی تعلیم کے حق میں ہیں، اور مساجد میں "مذہبی فلم" کس لیے دکھانا چاہتے ہیں، جہاں تک گانے بجانے کا تعلق ہے ان کو اسلام کے اندر اس کی ذرہ برابر گنجائش نہیں مل سکتی، اور وہ کہیں سے بھی اسلام میں رقص و سرود کی ضرورت یا جواز کو ثابت نہیں کر سکتے ،

اس تجویز کی بنیاد سراسر یورپ پرستی پر ہے، اور مغرب سے ذہنی مرعوبیت کے علاوہ اس کی اور کوئی وجہ نہیں ہے، البتہ جہاں تک مذہبی تعلیم جاری کرنے کا تعلق ہے، اس کو اسلامی اصولوں کی روشنی میں غور کیا جا سکتا ہے، اور اس کی ضرورت اور عدم ضرورت، افادیت اور عدم افادیت پر بحث کی جا سکتی ہے، اس میں شک نہیں کہ اس قسم کی فلموں سے ایک گونہ فائدہ ہوگا اور اس کے ذریعہ کئی مذہبی مسائل و معاملات سمجھے جا سکتے ہیں، مگر سوال یہ ہے کہ مصر کے علماء اور مسلمان کیا فلم سے بے نیاز ہو کر اپنے مسلمان بچوں اور بالغوں کے لیے اور کوئی طریقۂ تعلیم نہیں اختیار کر سکتے اور ان کے لیے اس سے زیادہ مناسب اور اس سے زیادہ مفید اور کوئی ترکیب بار آور نہیں ہو سکتی، اگر فلم کے ذریعہ دینی تعلیم ہو سکتی ہے تو بہت اچھی بات ہے، اسے اس کام کے لیے اپنایا جا سکتا ہے، مگر صرف اسی کو ذریعۂ تعلیم بنا کر ہر ہر مسجد میں برپا نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ اسلامی تعلیم انسان کے دل و دماغ اور عمل و کردار کے ذریعہ عام کی جاتی ہے، فلموں، تصویروں، فوٹوؤں اور ناٹکوں کے ذریعہ کسی مذہب کی روح اور اس کی حقیقت حاصل نہیں کی جا سکتی ۔

اس موقع پر ہمیں یاد آتا ہے کہ جب امریکہ میں گوتم بدھ کے مذہب کی اشاعت کے لیے فلم تیار کی جانے والی تھی تو بدھسٹوں کی عالمی انجمن نے اس کی مخالفت کی تھی، اور برما کے ایک بدھسٹ اخبار "نیو لائٹ" نے لکھا تھا کہ :-

گوتم بدھ کی تعلیمات کو عام کرنے کے لیے فلم اور سینما کی مطلق ضرورت نہیں ہے، سچائی فلم کے پردوں پر دکھائی نہیں جاتی، بلکہ انسان کے دلوں میں خود چلی جاتی ہے، اور اپنا کام کرتی ہے "

اس اخبار نے مثال کے طور پر اسلام کو پیش کیا تھا کہ :-

مسلمان تو م تصویر کشی، فوٹو اور فلم کو سخت حرام سمجھتی ہے، اور شدت سے اس سے بچتی ہے، مگر آج اسلام دنیا کے ہر گوشہ میں پھیلا ہوا ہے، اور جہاں مسیحیت اور بدھمت کا گذر نہیں ہے وہاں ٹھاٹھ سے اسلام زندہ و تابندہ ہے "

اسلام کی زندہ مثال اس بات کا ثبوت ہے کہ فلم، سینما اور فوٹو وغیرہ سے مذہبی تعلیم کا پھیلانا عبث ہے اور سچائی کی تعلیم و تبلیغ ان تفریحی آلات سے بہت اعلیٰ و بالا ہے،

جب کسی قوم سے اس کی دینی اور اخلاقی روح ختم ہو جاتی ہے تو وہ دین اور اخلاق کے نام پر ہر قسم کی نئوییت کو نہایت آسانی سے انگیز کر لیتی ہے، اور اپنی تسلی کے لیے ان لایعنی کاموں پر مذہب کا لیبل لگا لیتی ہے، آج کل ہم ہندوستانی مسلمانوں کا حال کچھ اسی قسم کا ہو رہا ہے، اور ہم دینِ اسلام کی حقیقی روح سے بڑی حد تک بے بہرہ ہو کر غیر اسلامی حرکات کو اسلامی قرار دے رہے ہیں، اور اپنی تسکین

کے لیۓ ان پر کوئی مذہبی رنگ چڑھا لیتے ہین ،

آج کل عام طور پر مسلمانون مین یہ مرض پیدا ہو گیا ہے کہ وہ اپنے دینی اجتماعات، مذہبی جلسون اور روحانی تقریبات مین ایسے عناصر کو دعوت دیتے ہین، جو نہ صرف یہ کہ اس سلسلہ مین بیکار ہوتے ہین بلکہ عین مخالف ہوتے ہین، پھر ان کو دعوت دے کر ان کی زبان سے کچھ چکنی چپڑی باتین سنی جاتی ہین، جن مین عام طور سے مصری کے ساتھ سنکھیا بھی ہوتی ہے، مگر ہم بڑی خوشی سے ان کو ہضم کر جاتے ہین، ہم سمجھتے ہین کہ چلو ہم نے فلان سرکاری عہدیدار اور بڑے آدمی کو اپنے جلسہ مین بلا کر اس کی زبان سے اپنی شان مین قصیدہ خوانی کرائی، اور وہ آدمی خوش ہوتا ہے کہ چلو اچھا ہوا کہ ہماری کوشش کے بغیر مسلمانون کی دینی تقریبات ہمارے کام کی ہو رہی ہین، اور ان مین سرکاری اور سیاسی اثر و اقتدار کام کرنے لگا ہے ،

کچھ دن ہوۓ ایک صاحب سے ہم نے بالکل بجا کہا تھا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے سیاسی لیڈر مسجدون کی امامت اور ان کا افتتاح بھی سیاسی اور سرکاری کارکنون سے کرائین گے ،

اس منحوس اندیشہ کی عملی صورت ذیل کی خبر مین دیکھئے :-

مدراس ۷؍ اپریل، وزیر اعلیٰ مدراس مسٹر کے، کامراج نادار نے کل صبح میڈلزین مسجد کا افتتاح کیا، مسٹر یم، جے جمال الدین محی الدین نے وزیر اعلیٰ کا خیر مقدم کیا، الکن چھترام کے مسلمانون کی طرف سے وزیر اعلیٰ کو سپاسنامہ پیش کیا گیا، سپاسنامہ مین ذکر کیا گیا کہ عالیجناب یم عبد العزیز صاحب کو تھنلور (ضلع تنجاور) کی سرپرستی کی وجہ سے مسجد کی تعمیر پایہ تکمیل کو پہنچی ہے ،

اس خبر کے بعد اب اس مین کیا شبہہ باقی رہ گیا کہ ہم اپنی مساجد تک کا افتتاح غیر مسلمون سے کرائین گے، دین کو سیاست کے لیۓ تختہ مشق بنانے کی مثال اس سے بڑھ کر اور کیا مل سکتی ہے، اور دین کے نام پر دنیا حاصل کرنے کا نظارہ اس سے اندوہناک اور کیا ہو سکتا ہے، اگر ہندوستانی مسلمانون کے جاہل لیڈرون نے اپنے مفاد کے لیۓ اس طرح مسلمانون کی مسجدون، مذہبی جلسون، میلاد النبی ؐ کے جلوسون اور بزرگانِ دین کے عرسون کو استعمال کیا اور ان خالص دینی اور مذہبی تقریبات مین اپنی مرعوبیت اور چاپلوسی کی وجہ سے بڑے بڑے غیر مسلمون کی خدمات حاصل کین تو عنقریب یہان کے مسلمان دین و مذہب سے بالکل کورے ہو کر خالص "ہندوستانی" بن جائین گے، اور ملک کی موجودہ حکومت اور سیاست کی راہ سے سنگ گران دور ہو جاۓ گا۔

اے مسلمانو! اپنے خود غرض اور خود پرست لیڈرون کی چالون سے واقف ہو کر اپنے دین و ایمان کو بچاؤ، ورنہ یہ خود غرض لوگ دین و ایمان کا نام لے کر اس کی روح سے تم کو خالی کر دین گے۔ اس بات کو ٹھنڈے دل سے سوچو۔

ان ننویتون اور دین کش حرکتون کی ذمہ داری ان مسلم جماعتون یا افراد کے سر عائد ہوتی ہے جنھون نے تقسیم ہند کے بعد اپنے ذاتی مفاد کے لیۓ یا خلوص نیت سے مسلمانون کے عام مفاد کے لیۓ ہند و مسلم اجتماعات کو اتحاد و اتفاق کا مظہر بنانا چاہا

اور اس طرح اس سیاسی نظریہ کو تقویت دی، جس کے ذریعہ ملک کے عام باشندون مین قوم اور وطن کے نام پر یکجہتی اور تعاون کی فضا پیدا ہونے کا امکان ہے۔

چنانچہ ہندوؤن اور مسلمانون کے مذہبی اور دینی اجتماعات مین عام طور سے ایسے ہی سیاسی یا سرکاری افراد آتے ہین، جو "وحدت ادیان" کا نظریہ رکھتے ہین، یا پھر اس سیاست کے نمایندے ہوتے ہین جس کا مقصد تمام باشندون کو مذہبی امتیازات سے بالاتر کرکے ایک پلیٹ فارم پر لانا ہوتا ہے، ان اسلام دشمن باتون کی ابتدا دہلی کے ان اعراس سے ہوئی، جو تقسیم کے بعد ہی منائے گیے، اور ان کے رسوم و رواج اور قوالی وغیرہ مین مشترکہ اجتماعات کیے گئے،

یہ دور مسلمانون کی مرعوبیت کا تھا اور اس مین یہان کی اکثریت کا برتاؤ، مسلمانون کے ساتھ کھلے طور پر نہایت معاندانہ تھا، اس صورت حال سے فائدہ حاصل کرتے ہوئے مشترکہ تہوار اور مشترکہ جشن کے نام پر غرضمندون نے یہ کھیل کھیلا، اور کچھ بھولے بھالے لوگون نے اسے مسلمانون کے لیے مفید جانا، حالانکہ یہ بات اسلامی روح کے سراسر خلاف تھی، اور مسلمانون کے مذہبی رسوم و رواج کی امتیازی شان پر ضرب کاری تھی۔

اس ہنگامی دور کے بعد مشترکہ تہوار منانے اور مشترکہ جشن برپا کرنے کی رسم عام ہوتی گئی، اور نوبت یہان تک پہنچی، اب مسلمان کا تقریباً ہر مذہبی اور دینی اجتماع سیاسی اور ملکی مفاد کی نذر ہو رہا ہے،